۱۷

(فرمودہ ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء بمقام باغ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب قادیان)

میں صحت کی خرابی کی وجہ سے اس وقت کچھ زیادہ تو نہیں بول سکتا۔ کیونکہ جمعہ کے دن خطبہ پڑھنے کی وجہ سے جو کھانسی کی شدت ہو گئی تھی، اس میں تخفیف نہیں ہوئی۔ لیکن چونکہ اس تقریب پر کچھ نہ کچھ خطبہ کہنا سنت ہے اور قرآن کریم کی آیات سے بھی اس کا استدلال ہوتا ہے اس لئے میں اختصار سے موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

یہ عید ایک بہت بڑی قربانی کی یاد میں ہے اور یہ عید اس واقعہ کو یاد رکھنے کے لئے ہے کہ خدا کی قائم کردہ جماعتوں اور اس کے بنائے ہوئے سلسلوں میں کچھ افراد ایسے ہوں جو اپنی زندگیوں کو کلی طور پر دین کے لئے وقف کردیں۔ جیسا کہ میں نے کئی دفعہ بیان کیا ہے ہرگز یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ فرمایا کہ واقعہ میں اپنے بچہ کو ذبح کردو۔ انسانی قربانی کبھی بھی شریعت اسلامیہ سے ثابت نہیں[1] کہ دنیا میں جائز قرار دی گئی ہے۔ قرآن شریف نے حضرت آدمؑ کے زمانہ کی قربانی کا ذکر کیا ہے[2] اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ انسان کی قربانی نہیں بلکہ دوسرے جانوروں کی قربانی کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کی قربانی کا بکرے کی قربانی کو قائم مقام قرار دیا گیا[3] یہ بات ان معنوں میں تو صحیح ہے کہ ایک انسان کی قربانی کا نشان قائم رکھنے کے لئے بکرے وغیرہ کی قربانی کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ کہنا کہ پہلے انسان کی قربانی کا حکم تھا جسے بدلا گیا، یہ غلط ہے۔ کیونکہ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے۔ مگر انہوں نے انسانی جانوں کی قربانی نہیں کی بلکہ دوسرے جانور کی کی۔ ان کے متعلق جو روایات آتی ہیں وہ سچی ہوں یا جھوٹی، ان سے پتہ لگتا ہے کہ ایک نے بکرے کی قربانی کی اور دوسرے نے اور چیزوں کی۔ پس اگر وہ روایات صحیح ہوں یا ان کا کوئی حصہ صحیح ہو تو یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک جانوروں کی قربانی کا رواج رہا ہے[4] ایسی حالت میں یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک انسانوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ پھر بکرے کی قربانی مقرر ہوئی، یہ درست نہیں جبکہ ابتداء سے ہی یہی ثابت ہوتا ہے کہ الٰہی سلسلوں میں انسان کی قربانی کبھی نہیں دی گئی۔ بلکہ اور جانوروں کی دی جاتی تھی۔ کبھی بچوں کو قربان کرنے کا حکم نہ دیا گیا تو پھر یہ خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی قربانی کو موقوف کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے بچے کی قربانی کا

حکم دیا اور پھر اسے بدل دیا، یہ صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ وہ بچہ کو ذبح کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ بچہ کو ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آئیں۔ تاکہ وہ کلی طور پر خدمت میں لگ جائے گویا دنیوی لحاظ سے اسے قربان کر دیا گیا۔ یہ ایک تشکیلی تھی جو رؤیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی گئی۔ مگر حضرت ابراہیمؑ نے دنوی محبت میں بیٹے کو خدا کے لئے ذبح کرنا چاہا یعنی اپنی قوم کے رواج کے ماتحت جو خدا تعالیٰ کا قائم کردہ نہ تھا بلکہ لوگوں کا اپنا بنایا ہوا تھا بیٹے کو قربان کرنا چاہا۔ خدا تعالیٰ ان کے اخلاص اور محبت کو دیکھکر اور بھی ان پر خوش ہوا اور کہا۔ اے ابراہیمؑ! جس طرح تو ظاہری قربانی کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے، مَیں ظاہری لحاظ سے بھی اسے بچاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خدا تعالیٰ نے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں رزق پہنچانے کے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ وہاں کے رہنے والے رزق کی وجہ سے ہلاک نہ ہوں۔

پھر جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ عظیم الشان کام کسی اور کے سپرد نہ کیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ مَیں اپنے بیٹے کا ذبح ہونا دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی زید یا بکر چھری چلا دے۔ بلکہ خود چھری چلانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے ان کے بچے کو بچانے کے لئے بھی انہیں کسی انسان کا ممنون نہیں بنایا بلکہ اس کے لئے خود چشمہ پھوٹا جس سے اس بچہ نے پانی پیا۔ اس طرح کسی انسان کی مدد اور دستگیری سے اُسے بچا لیا۔ یہ ایک زبردست نشان ہے اس بات کا کہ قوم کے بعض افراد کو خدمتِ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینی چاہیئے گویا ظاہری طور پر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دینا چاہیئے تاکہ دوسرے ہلاکت سے بچ جائیں یہ نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے اس رؤیا سے قائم کیا۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کوئی سلسلہ اور کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جب تک اس کے افراد کلّی طور پر اپنے آپ کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور بعض جزوی طور پر قربانی نہ کریں۔ کلّی طور پر تو اس طرح کہ اپنے تمام اوقات خدمتِ دین میں صرف کریں اور جزوی طور پر اس طرح کہ کچھ اوقات دین کے لئے خرچ کریں اور کچھ دنیا کمانے کے لئے خرچ کریں۔ چنانچہ قرآن کریم سے یہ دونوں قسم کی قربانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام والی قربانی بھی اور حضرت اسحاق علیہ السلام والی قربانی بھی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی کلّی طور پر قربانی کی گئی کہ کلّی طور پر خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیئے گئے اور حضرت اسحٰقؑ کو اپنے ملک میں رہنے دیا گیا تاکہ کاروبار کریں اور کچھ حصہ دین کی خدمت میں لگائیں[۵]۔ جزوی قربانی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[۶]۔ ہر ایک مومن اپنے اموال میں سے کچھ دین کے لئے خرچ کرے

یہ حضرت اسحاق علیہ السلام والی قربانی ہے۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کلی طور پر اپنے آپ کو خدمت میں لگا دینا۔ اور اس کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا ہے۔ جب تک کسی قوم میں دونوں قسم کی قربانیاں کرنے والے نہ ہوں۔ وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر سارے کے سارے افراد کلی طور پر خدمتِ دین میں لگ جائیں اور دنیوی کام چھوڑ دیں تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ دین کی مالی ضرورتیں کس طرح پوری ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا یہ منشاء نہیں کہ تمام کے تمام لوگ سب کاموں کو چھوڑ کر خدمتِ دین میں لگ جائیں۔ دین کی خدمت کے لئے مال کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اگر مال نہ ہو تو کام چل نہیں سکتا۔ لیکن اگر قوم کے سارے کے سارے افراد مبلغ بن جائیں اور اپنا سارا وقت تبلیغ دین میں صرف کریں تو ٹریکٹ اور کتابیں کس طرح شائع ہوں۔ ان کے لئے اخراجات کہاں سے آئیں۔ بات یہ ہے کہ دین کے بعض کام ایسے ہیں جن کے لئے مال کی ضرورت ہے، رعب کی ضرورت ہے۔ جتھے اور دبدبہ کی ضرورت ہے اور یہ باتیں دنیوی کاموں سے حاصل ہوتی ہیں۔ پس جماعت کا ایک حصہ اور بڑا حصہ ایسا ہونا ضروری ہے جو دنیوی مال کمائے اور اس میں سے دین کے لئے خرچ کرے۔ ایک حصہ اور ہو اور وہ تھوڑا حصہ ہو جو دین کے لئے وقف ہو۔ یہی کام دن رات کرے اور اسی میں لگا رہے۔ جماعت کو دشمنوں کے جوڑ توڑ سے واقف کرتا رہے، ان کے مقابلے میں مصروف رہے۔ یہ دو سلسلے ہیں جن سے مل کر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی اور اسی کی یاد کے لئے یہ عید ہے۔ بہت لوگ کہتے ہیں قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ جان ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ حالانکہ قربانی کرنا بھی مشق چاہتا ہے کوئی کام بغیر مشق کے نہیں ہو سکتا۔ مجھے خوب یاد ہے بچپن میں نجار ہمارے گھر کام پر لگے ہوئے تھے۔ جب ہم سکول سے پڑھ کر آتے تو وہ اپنے اوزار کو ہاتھ نہ لگانے دیتے۔ ایک دن ایک نجار اپنے اوزار یوں ہی چھوڑ کر چلا گیا، اس لئے مجھے موقعہ مل گیا۔ مَیں اور دوسرے ساتھ کھیلنے والے لڑکے بہت خوش ہوئے۔ مَیں نے تیشہ پکڑ کر ایک ہی ضرب لگائی کہ وہ میرے ہاتھ کے انگوٹھے پر لگی جس کا اب بھی نشان ہے۔ تو بغیر مشق معمولی ضرب بھی نہیں لگائی جا سکتی۔ حالانکہ ہم انہیں تیشہ چلاتے دیکھ کر سمجھا کرتے ان سے اچھا ہم چلا لیں گے۔ چونکہ انسان کو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ خدا کی یاد میں جان کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہے۔ اور جب تک ظاہری قربانی نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا۔ جب تک خون بہانے کی مشق نہ ہو جان دینے کے لئے انسان تیار نہیں ہو سکتا۔ پھل اور سبزیاں کھانے والے بہادری کے ساتھ خون بہانے کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ کہا جائے گا کہ گائے کے لئے ہندو

مسلمانوں کو مار ڈالتے ہیں۔ مگر یہ ان کی قربانی نہیں ہوتی بلکہ بُزدلی ہوتی ہے جن میں طاقت اور قوت کے ساتھ بہادری ہوتی ہے، وہ کسی کو تباہ کرنے پر دلیری نہیں کیا کرتے۔ بلکہ وہ موقعہ دیتے ہیں۔ مَیں نے کئی دفعہ بلّی چوہے کی مثال سُنائی ہے۔ بلّی چوہے کو پکڑ کر چھوڑ دیتی ہے۔ جب بھاگنا چاہتا ہے تو پھر پکڑ لیتی ہے۔ وہ اسے یہ بتانا چاہتی ہے کہ چوہا اس کے ہاتھ سے نکل نہیں سکتا، تو فنا کر دینے پر آمادہ ہو جانا بُزدلی کی علامت ہے۔ بہادر انسان اتنا ہی نقصان پہنچاتے ہیں جس قدر بقا کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جتنے بڑے بڑے بہادر ہوئے ہیں اتنے ہی زیادہ عفو کرنے والے ہوئے ہیں اور جتنے ایسے بُزدل ہوئے ہیں جنہیں دوسروں کو تباہ کرنے کے سامان ہاتھ آگئے وہ فنا کرتے گئے۔ سچی بہادری یہی ہوتی ہے کہ دشمن پر قابو پانے کے بعد اتنی ہی تکلیف پہنچائے جو اس کے لئے اور اس کی قوم کے لئے ضروری ہو اور پھر عفو کر دیا جائے۔ غرض قربانی کے لئے انسان سوائے مشق کے تیار نہیں ہو سکتا۔ اور یہ مشق اس عید کے موقعہ پر اس طرح کرائی جاتی ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرے تاکہ جب خدا کے لئے خون بہانے کی ضرورت ہو تو خون بہائے اور جب رک جانے کا حکم ہو تو رُک جائے چنانچہ ان دنوں خون بہایا بھی گیا ہے اور خون بہانے سے روکا بھی گیا ہے۔ مسلمان آج خون بہا رہے ہیں۔ مگر آج سے دس بارہ دن پہلے مکے کی سرزمین میں شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ غرض خدا تعالیٰ نے اس تقریب پر یہ مشق کرائی ہے کہ جب خون بہانے کے لئے کہا جائے تو خون بہاؤ اور جب کہا جائے مت بہاؤ تو رُک جاؤ۔ پس اس عید میں دونوں قسم کے نظارے رکھے گئے ہیں اور یہ تمثیلی زبان میں دلیری اور جرأت پیدا کرنے کے لئے مشق کا سامان ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر حقیقی قربانی کے لئے تیاری کرنی چاہیئے۔ اور ہماری جماعت میں دونوں قسم کی قربانی کرنے والے ہونے چاہئیں۔ وہ بھی جو دنیا میں ترقی کریں اور اپنے اموال کو خدا کے دین کے لئے صرف کریں۔ اور وہ بھی جو کلّی طور پر خدمت دین میں اپنے آپ کو لگا دیں اور دن رات اسی کام میں لگے رہیں۔

خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں دونوں قسم کے لوگ پیدا کرے۔ جو نیک نیتی سے اپنا اپنا کام کریں۔ انہیں اپنے کام پر استقلال حاصل ہو۔ اور وہ اسے اپنے لئے نعمت سمجھیں۔ نہ وہ ہوں جو دنیوی ترقی کریں اور پھر اس پر فخر کریں کہ انہوں نے کوئی دین کا بڑا کام کیا ہے نہ وہ ہوں جو دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں اور پھر کہیں ان کی قربانی کی قدر نہیں کی گئی۔ ان کی قربانیاں خدا کے لئے ہی ہوں اور اسی سے بدلہ چاہیں۔

(الفضل ۲۸ر مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۵-۶)

۱ - طبقات الشافعیۃ الکبریٰ مؤلفہ شیخ الاسلام تاج الدین السبکی جزو ثانی ص۶۷ مطبوعہ مصر۔

۲ - المائدہ ۵ : ۲۸

۳ - پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۳

۴ - "ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام" مصنفہ علامہ عباس محمود العقاد المصری ترجمہ مولانا راغب رحمانی ص۱۵۳ - ص۲۶۰

۵ - پیدائش باب ۲۵ آیت ۵ - ۶ ، جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ ص۶۱۶

۶ - البقرہ ۲ : ۴۱

۷ - صحیح بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہٖ۔

۸ - جامع ترمذی ابواب الحج باب ما جاء فی حرمۃ مکّۃ۔